لہو میں جوش تھا جس دم رگ جاں سے ابلنے کو — ذرا سی دیر تھی جس دم چھری گردن پہ چلنے کو
کہ چرخ کجروش کے سخت دل میں پڑ گیا لرزہ — زمیں کے ذرہ ذرہ میں ہوا اک حشر سا برپا
کلی کے ننھے سے دل تک میں پیدا ہوگئی سوزش — یکایک آگئی اس دم ستون عرش کو جنبش
ندا آئی کہ بس تم امتحاں میں ہو چکے فائز — لہو فرزند کا ہے باپ کو ہرگز نہیں جائز
ادہر حاضر ہوئے جبریلؑ اک مینڈھا لئے فوراً — اسی دم پھر گئی گردن پہ جس کے تیغۂ آہن
ادہر دونوں کی آنکھوں میں خوشی کا اشک بھر آیا — ادھر پھر باپ نے فرزند کو سینے سے چمٹایا
ہوئی "فی الآخرین" مشروع انکی آجتک سنت — خوشی کا وقت آیا آگئی پھر ساعت فرحت

مبارک عین ہو رحمانیہ کو عید کا آنا
جہاں میں شادمانی آرہی ہے ہو کے مستانہ

ایک استفسار اور اسکا جواب

(از حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری)

(۱) اسد اللہ کے خطاب اور لقب میں کونسی خوبی ہے جو حضرت علیؓ کیلئے رواج پا گیا ہے اور وہ اس لقب کے ساتھ مشہور ہوگئے۔ کیا یہ خوبی حضرت علیؓ ہی کیلئے پائی جاتی تھی اور دیگر خلفائے راشدین وصحابہ کرام میں نہیں پائی جاتی تھی جنگل کا شیر بھی تو اللہ ہی کا شیر ہے پس کسی انسان کو خاص طور پر اللہ کا شیر کہنے کا کیا معنیٰ ہے۔

(۲) حضرت علیؓ کو اسد اللہ کا خطاب کس نے دیا اور خطبۂ جمعہ میں ان کو اس لقب اور وصف کے ساتھ کس زمانہ سے ذکر کیا جاتا ہے حضرت علیؓ کیلئے یہ خطاب بظاہر شیعوں کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میر حسن شاہ یحییٰ گنج لکھنؤ

جواب

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت اور مشہور بات ہے کہ جری اور دلیر شجاع اور بہادر شخص کو بطور تشبیہ یا استعارہ شیر (اسد) کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو بلاغت کے فن ثانی علم بیان کے مباحث)۔ اور اللہ کی راہ اور اس کے دین کی نصرت وحمایت میں شجاعانہ امتیازی کام کرنے والے کو اللہ کا شیر (اسد اللہ) کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جنگ حنین کے موقعہ پر ابوقتادہ انصاریؓ کو اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کہا تھا چنانچہ فرمایا لاھا اللہ اذا لا یعمد الی اسد من اسد اللہ یقاتل عن اللہ ورسولہ فیعطیك سلبہ (بخاری عن ابی قتادۃ ص ۶۱۸ ج ۲ ومسند احمد عن انس) اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت حمزہؓ کے متعلق فرمایا ان حمزۃ مکتوب فی السماء اسد اللہ واسد رسولہ (فتح الباری بحوالہ ابن ہشام ذکر قتل حمزہ ص ۲۸۴ پ ۱۶) اسی حدیث کی روسے ابن سعد نے حمزہؓ کا ترجمہ اسد اللہ واسد رسولہ کے وصف سے شروع کیا ہے (طبقات ابن سعد

طبع لیدن ج۳ ص۳) اور اسی صفت شجاعت و جرأت کو مدنظر رکھکر حضرت انس ؓ نے اپنے اور تمام صحابہ کے متعلق فرمایا خطبنا ابو بکر و کنا کالثعالب فما زال یشجعنا حتی مرنا کالاسود (منہاج السنۃ ص۱۵۶ ج۲)

اس میں شک نہیں کہ جنگل کا شیر بھی اللہ ہی کا شیر ہے لیکن بعض انسانوں پر مطلق شیر یا بعض شخصیتوں پر لفظ شیر کو اللہ کی طرف منسوب کر کے شیر خدا (اسد اللہ) اسلئے اطلاق کیا جاتا ہے کہ وہ شیر کی طرح بہادر او جری ہیں یا ان سے نصرۃ دین اور حمایت اسلام کے سلسلہ میں شجاعانہ امتیازی کارنامے انجام پذیر ہوئے۔ دنیا کی سب اونٹنیاں اللہ ہی کی ہیں لیکن حضرت صالح کی اونٹنی کو خصوصیت کے ساتھ ناقۃ اللہ کہا گیا۔ دنیا کے تمام گھر اور عبادت خانے اللہ ہی کے ہیں لیکن خانہ کعبہ کو خاص طور پر بیت اللہ کہا گیا۔ تمام تلواریں اللہ ہی کی ہیں لیکن حضرت خالدؓ کو سیفٌ من سُیوفِ اللہ کہا گیا۔ تخصیص کی جو وجہ ان مثالوں میں ہے وہی صورت مسئولہ میں بھی ہے۔

جو لوگ حضرت علیؓ کو اسد اللہ (شیر خدا) کہتے ہیں ان کے نزدیک اس لقب کا سبب حضرت علیؓ کی شجاعت و جرأت اور دلیری و بہادری ہے لیکن یہ سمجھنا کہ اس تلقیب و توصیف کیلئے جس مجاہدانہ دینی شجاعت اور طبعی جرأت کی ضرورت ہے وہ صرف حضرت علیؓ میں تھی اور کسی دوسرے صحابی میں یہ خوبی نہیں تھی قطعاً غلط اور یکسر باطل ہے۔ حضرت علیؓ یقیناً بہادر اور شجاع تھے لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ جری اور شجاع حضرت ابو بکرؓ تھے ان کے بعد شجاعت میں حضرت عمرؓ کا درجہ ہے اور بقیہ تمام صحابہ جن میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں بلا شبہ اس وصف میں حضرات شیخین سے کمتر ہیں۔ شجاعت کی دو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ (۱) خطرات و مصائب میں دل کا قوی اور ثابت و مطمئن رہنا اور ارادہ کی پختگی اور صبر و استقلال و عدم جزع۔ (۲) میدانِ جنگ میں زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو قتل کرنا ظاہر ہے کہ پہلی قسم شجاعت کی اعلیٰ ترین صورت ہے اور اس میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی کوئی صحابی بھی ہمسری نہیں کر سکتا۔ جنگ بدر، آنحضرتؐ کی وفات، تجہیز جیش اسامہ، مرتدین سے جہاد کے مواقع میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جس بے نظیر قلبی شجاعت اور صبر و سکون اور اطمینان و قوۃ یقین اور ارادہ کی پختگی کا اظہار کیا ہے دنیائے اسلام اسکی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ رہا یہ دعوٰی کہ حضرت علیؓ دینی جہاد میں تمام صحابہ سے اعلیٰ و ارفع تھے اور ان کے جیسے مجاہدانہ کارنامے کسی صحابی سے نہیں صادر ہوئے تو یہ بھی قطعاً غلط اور لغو ہے۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں (۱) زبانی اور تبلیغی جہاد۔ (۲) میدان جنگ میں جنگی تدبیروں اور مشوروں کے ذریعہ جہاد (۳) آلات جنگ کے ذریعہ جسم کا جہاد۔ پہلی دونوں صورتیں جہاد کی اعلیٰ اور افضل ترین قسمیں ہیں اور تیسری قسم جہاد کا معمولی مرتبہ ہے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ سے بڑھکر شجاع اور جری اور آپ سے زیادہ مجاہد فی الدین ہونا تو درکنار اس وصف میں آپ کا کوئی برابر بھی نہیں ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے

کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ساری عمر میں صرف ایک دشمن اسلام ابی بن خلف کو جنگ احد کے موقعہ پر قتل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد بالید جہاد کی ایک ادنیٰ ترین نوع ہے۔ البتہ جہاد کی پہلی دونوں قسموں کے ساتھ آنحضرتؐ بدرجہ اتم متصف تھے۔ اور آپ کے بعد حضرات شیخین ہیں یہ دونوں قسمیں اس درجہ موجود تھیں کہ کوئی صحابی، حضرت علیؓ ہوں یا کوئی اور ان دونوں حضرات کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ اور تیسری قسم میں بھی حضرت علیؓ تنہا و منفرد نہیں ہیں۔ اس وصف میں حضرات شیخین بھی ان کے شریک ہیں اور بہت سے صحابہؓ تو حضرت علیؓ کے برابر ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھکر ہیں۔ اگر حضرت علیؓ آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے اور ان کے ہاتھ میں علم رہتا اور کسی جنگ میں انکا فرار منقول نہیں تو حضرات شیخینؓ بھی آنحضرت کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور کسی معتبر روایت سے انکا فرار ثابت نہیں بلکہ حضرات شیخینؓ جن بعوث و سرایا میں امیر بنا کر بھیجے گئے ان کی تعداد حضرت علیؓ کے بعوث و سرایا سے زیادہ ہے۔ جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی جاتی ہے ان میں بھی چھ کے متعلق اختلاف ہے کہ ان کے قاتل علیؓ ہیں یا کوئی اور صحابی۔ حضرت براء بن مالکؓ نے علی سبیل المبارزہ بلا شرکت غیرے مختلف جنگوں میں سو کافروں کو قتل کیا اور خالد بن الولیدؓ کے مقتولین کی تعداد تو بے شمار ہے۔ غزوہ موتہ میں ان کے ہاتھ میں ۸ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے کا واقعہ کس سے پوشیدہ ہے کیا حضرت علیؓ کو بھی یہ فخر حاصل ہے۔ حضرت طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ حمزہؓ۔ عبیدہ بن الحرثؓ۔ مصعب بن عمیرؓ۔ سعد بن معاذؓ۔ ابودجانہؓ کے مشہور امتیازی جنگی کارنامے کس سے مخفی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حضرت علیؓ کا ہمسر اور شریک وسہیم ہے۔

جنگ خندق میں حضرت علیؓ کا عمرو بن عبدود جیسی معروف شخصیت کو قتل کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس واقعہ کے متعلق روایات میں جس مبالغہ سے کام لیا گیا ہے وہ قطعاً صحیح روایات کے خلاف ہے۔

خیبر کے بعض قلعے عنوۃً اور بعض صلحاً فتح ہوئے اور اس میں شک نہیں کہ قلعہ قموص حضرت علیؓ کی قیادت میں فتح ہوا لیکن وہ محض آنحضرتؐ کی دعا کی برکت سے جس طرح اس سے پہلے دوسرے قلعے دوسرے صحابہ کی قیادت میں آنحضرتؐ کی برکت سے فتح ہوئے پس حضرت علیؓ کو یہاں بھی کوئی امتیازی شرف حاصل نہیں ہے۔ قلعہ کے در کو جو سرتا پا پارۂ سنگ تھا اور جسکو ایک روایت کے مطابق واقعہ کے بعد آٹھ آدمی اور دوسری روایت کے مطابق چالیس آدمی نہ اٹھا سکے) اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لینے کی روایتیں بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے ان روایتوں کے متعلق تصریح کر دی ہے کہ کلھا واھیۃ سب لغو روایتیں ہیں۔ امام ذہبیؒ نے اس روایت کو منکر بتایا ہے۔ تعجب ہے امام حاکم اور صاحب کنز العمال اور صاحب مجمع الزوائد و صاحب اسد الغابہ پر کہ انھوں نے حضرت علیؓ کے مناقب میں اس جیسی بے سروپا لغو روایتیں اپنی کتابوں میں بھر دیں۔ حضرت علیؓ کا مرحب یہودی کو قتل کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ مغازی موسیٰ بن عقبہ۔ مغازی کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں بروایت حضرت جابرؓ و سلمۃ بن سلامہؓ و مجمع بن حارث مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہؓ کو بتایا ہے (زاد المعاد صفحہ ۲۹۳ ج ۱)

اسی لئے ائمہ مغازی محمد بن اسحق وموسیٰ بن عقبہ اور واقدی مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ ہی کو بتاتے ہیں خالف ذلك اهل السير فجزم ابن اسحق وموسى بن عقبة والواقدى بان الذى قتل مرحبا هو محمد بن مسلمة وكذا روى احمد باسناد حسن عن جابر وقيل ان محمد بن مسلمة كان بارزه نقطع رجليه فاجهز عليه على (فتح ص۱۴ پ ۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایران اور روم کی کسی جنگ میں حضرت علیؓ کی شرکت ثابت نہیں ہے تعجب ہے کہ ان کی شجاعت وبہادری فقط آنحضرت کے زمانہ تک کیوں رہی۔ اور آپ کے ارتحال کے ساتھ ان کی شجاعت کیوں ختم ہوگئی شجاعت وجرأت کے اظہار کا سب سے زبردست اور ضروری موقعہ وہ تھا جب بقول اخوان یوسف خلافت پر دوسروں نے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کرلیا تھا مگر افسوس۔ شاید تقیہ کی نذر ہوگئی ہوگی۔ جنگ جمل اور نہروان میں حضرت علیؓ بظاہر منصور وغالب تھے لیکن یہ محض اسوجہ سے کہ ان کی فوج کی تعداد فریق مقابل سے کئی گنا زیادہ تھی۔ لیکن باایں ہمہ وہ ان پر پورا قابو حاصل نہ کرسکے اور یہ فتنہ آخر دم تک دبا نہ سکے اور ہمیشہ ان معاملات کی وجہ سے مضطرب وپریشان و غیر مطمئن رہے۔ اس سے انکی جنگی تدبیروں اور سیاست میں مہارت کی حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے۔

پس ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ شجاعت اور جہاد فی الدین کی ادنیٰ ترین قسم کے اعتبار سے بلاشک شبہ شجاع اور جری تھے یہاں تک کہ دشمن بھی اس کا اقرار کرنے پر مجبور تھے چنانچہ اسید بن ایاس بن زنیم کنانی قریش کو انکے خلاف ابھارتا ہوا کہتا ہے [1]

فی کل مجمع غایة اخزاکم + جذع ابر على المذاكى القرح

لله دركم الما تنكروا + قد ینكر الحر الكريم ويستحی — تنكروا / ینكر

هذا ابن فاطمة الذى افناكم + ذبحا بقتله بعضه لم يذبح — قتلة قعصة

این الكهول واين كل دعامة + فى المعضلات واين زين الابطح

لیکن جہاد بالید کی یہ خوبی ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ متعدد صحابہ ان کے اس وصف میں شریک ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھکر شجاع اور میدان جنگ کے مشہور شہسوار تھے۔ اور شجاعت کی اعلیٰ ترین صورت اور جہاد فی الدین کی افضل ترین دونوں قسمیں تو آنحضرتؐ کے بعد حضرات شیخینؓ کے ساتھ مخصوص تھیں۔ پس حضرت علیؓ کو شیر خدا (اسد اللہ) کا لقب اور خطاب دینا کسی بنیاد اور اصل پر مبنی نہیں ہے ان سے زیادہ اس لقب کے مستحق حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، ابودجانہؓ، خالد بن الولید، براء بن مالکؓ، حمزہؓ وغیرہ ہیں۔

ہمارے نزدیک بلاشک وشبہ حضرت علیؓ کیلئے یہ لقب شیعوں کا گھڑا ہوا ہے حضرت علیؓ کو اس لقب کے ساتھ نہ آنحضرت

[1] اصابہ ص۲۶۹ ج۴ واسد الغابہ ص۲ ج۴

صلی اللہ علیہ وسلم نے ملقب فرمایا ہے نہ کسی خلیفہ راشدؓ نے نہ دیگر صحابہ کرامؓ یا تابعین عظام نے اور نہ کسی صاحب سیرۃ و مغازی نے بخلاف حضرت حمزہؓ کے کہ جبریل امینؑ نے ان کو یہ لقب عنایت فرمایا ہے جیسا کہ ابن ہشام کے حوالے سے اوپر گذر چکا ہے پس اگر حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ کہا جائے تو بلا شبہ درست ہوگا۔

ہاں حضرت علیؓ کی ماں فاطمہ بنت اسد نے حضرت علیؓ کا نام دو وجہوں سے اسد رکھا تھا (۱) حضرت علیؓ کے نانا کا نام اسد تھا۔ (۲) عربوں کا دستور تھا کہ بطور تفاول اپنے بیٹوں کا نام اسد۔ نمر۔ فہد۔ کلب۔ حجر۔ فہر وغیرہ رکھتے تھے۔ قال مصعب بن عبد اللہ الزبیری کانت فاطمۃ بنت اسد بن ھاشم اول ھاشمیۃ ولدت من ھاشمی (الی ان قال) وکان اسم علی اسد ولذلک یقول ؎ انا الذی سمتنی امی حیدرہ + کلیث غابات کریہ المنظرہ + (المستدرک للحاکم ج۳ ص۱۰۸) حضرت علیؓ کا نام اسد ہونا اس شعر سے صاف واضح ہے۔ یہ شعر مسلم ج۲ ص۱۱۵ طبری ص۱۵۷۹۔ زاد المعاد ج۱ ص۱۹۲۔ کنز العمال ج۵ ص۲۸۵ میں بھی موجود ہے۔ لیکن حضرت علیؓ ماں کے تجویز کردہ اور پسندیدہ نام کے بجائے ابو طالب کے تجویز کردہ نام علیؓ کے ساتھ معروف و مشہور ہو گئے۔ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ مسئلۃ۔ ان قال قائل . . . فقد سمعنا عن علی انہ قال انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ ولا نعلم انہ کان یدعی بھذا الاسم۔ الجواب۔ انہ لما ولد سمتہ امہ فاطمۃ بنت اسد بن ھاشم باسم ابیھا اسد، سماہ ابو طالب علیا فغلب علیہ ما سماہ ابو طالب ذکرہ عبد الغنی الحافظ۔ (تلقیح فھوم اھل الاثر ص۳۷۷)

لیکن شیعوں نے حضرت علیؓ کی شجاعت و جرأت کے بے اصل و بے سر و پا اور گھڑے ہوئے واقعات کی بنا پر ان کو بحیثیت لقب کے اسد اللہ کے ساتھ مشہور کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ لقب حضرت علیؓ کیلئے سنیوں میں بھی رواج پذیر ہو گیا۔ سنیوں میں لقب کی حیثیت سے اس وصف کے رواج پانے کا سبب محبت اہل بیت میں غلو اور افراط اور ان سنی امرا و علما کا اثر و رسوخ ہے جو تفضیلی تھے یا تشیع و رفض کی طرف میلان و رجحان رکھتے تھے۔ یا یہ نتیجہ ہے شیعوں کے قرب و مجاورت کا۔ جیسے تعزیہ داری وغیرہ شیعوں کی ہمسائگی کی وجہ سے سنیوں میں اور بہت سے مشرکانہ رسم و رواج ہندوؤں کی مجاورت سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہو گئے ہیں اسی طرح یہ بے بنیاد لقب بھی سنیوں میں رواج پا گیا افسوس ہے کہ سنیوں نے اس کی تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی اور آنکھ بند کر کے اختیار کر لیا۔

خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کے تعظیمی القاب اور اہلبیت و حضرت عباس و حضرت حمزہ، و دیگر حضرات عشرہ مبشرہ کا نام لیا جانا غالباً عہد بنی عباس کی پیداوار ہے۔ جب سنی اور شیعہ کی تفریق مذہبی حیثیت سے نمایاں کی گئی اور خطبۂ جمعہ میں خاص حضرت علیؓ کو اسد اللہ الغالب کے لقب سے ذکر کئے جانے کے زمانے کی تعیین افسوس ہے کہ معلوم نہیں ہو سکی۔